حصول کی تگ و دو میں مصروف ہے۔ ازبک قیادت اور خاص کر صدر اسلام کریموف ازبکستان کو وسطی ایشیا میں کلیدی کردار کی حامل بڑی طاقت کے طور پر پروجیکٹ کر رہے ہیں۔

سابق سوویت وسطی ایشیا کا رہنما کون؟ قازقستان یا ازبکستان؟

اگرچہ رقبے اور وسائل کے اعتبار سے قازقستان کو ازبکستان پر فوقیت حاصل ہے، تاہم قازقستان بعض ایسے مسائل سے دوچار ہے جو اسے اپنی خارجہ پالیسی میں تنوع اور انتخاب کی آزادی سے محروم کرنے کا باعث بن رہے ہیں۔ اس کی آبادی میں چالیس فیصد کے قریب روسی النسل باشندوں کی موجودگی اور روس کی طرف سے اس کے روسی اکثریت والے شمالی صوبوں پر دعویداری، قازقستان کی سلامتی کے لیے مستقل خطرہ بنے ہوئے ہیں۔ واضح رہے کہ قازقستان کے یہی شمالی صوبے قدرتی وسائل سے مالا مال ہیں۔ قازقستان کی روسی آبادی میں پہلے سے ہی علیحدگی پسندی کے رجحانات جڑ پکڑ رہے ہیں اور خاص کر اس کے کوسیک روسی باشندوں نے اپنے آپ کو مسلح کرنا شروع کر دیا ہے۵۵۔ اس پس منظر میں قازق قیادت کے لیے ماسکو کے "سلامتی سے متعلق مفادات" کو پس پشت ڈالنا مشکل ہے۔ قازق قیادت کو اس بات کا بخوبی ادراک ہے کہ قازقستان کی دوریاستوں میں تقسیم یا اس کے روسی آبادی والے شمالی علاقوں کے روس کے ساتھ الحاق کی صورت میں قازقستان نہ صرف اپنی معدنی دولت اور قدرتی وسائل سے مالا مال علاقوں سے محروم ہو جائے گا بلکہ اس عمل کے نتیجے میں اس کے پاس خطے میں ازبک بالادستی قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہے گا۔ اس پس منظر میں قازق حکام اپنی دفاعی حکمت عملی، خارجہ پالیسی اور اقتصادی احیاء کے پروگراموں میں ماسکو سے ہم آہنگی کی راہ پر گامزن نظر آتے ہیں۔ ۲۰ جنوری ۱۹۹۵ء کو ماسکو اور الماتی کے مابین متعدد دو طرفہ معاہدات پر دستخط کئے گئے۔ ان معاہدوں میں دونوں ملکوں کے درمیان خارجہ پالیسی کی تشکیل میں یگانگت اور فوجی و اقتصادی شعبوں میں باہمی تعاون کو مضبوط کرنے پر اتفاق کیا گیا۔ بیرونی تجارت کی پالیسیوں میں وحدت و یکسانیت پیدا کرنے کے لیے بھی متعدد اقدامات پر اتفاق کیا گیا۔ مزید برآں دونوں ممالک نے "آزاد ممالک کی دولت مشترکہ" میں امن و سلامتی کی نگہداشت کی غرض سے "سلامتی کے ایک اجتماعی نظام" کے لیے مشترکہ مساعی پر بھی زور دیا۔ ان مذاکرات کے اعلامیہ میں اس بات کا اعلان کیا گیا کہ قازقستان اور روس دونوں مستقبل میں اپنے اپنے ملک کی سرزمین میں موجود فوجی تنصیبات/ تسہیلات کو دوسرے ملک کی افواج کے استعمال کے لیے کھول دیں گے۔ فوجی

تعاون کے معاہدہ کی رو سے "مشترک مسلح افواج" کے لیے راہ ہموار کی گئی جو "افواج کی تربیت اور ان کی صف بندی سے متعلق مشترکہ منصوبہ بندی کے اصولوں پر عمل" کی بنیاد پر قائم کی جائیں گی۔ سربراہی ملاقات کے دوران صدر نذر بائیف اور صدر یلسن نے اس عزم کا اظہار کیا کہ "دونوں ممالک خارجہ پالیسی کی تشکیل میں قریبی تعاون کی حکمت عملی اختیار کریں گے اور نہ صرف تمام اہم بین الاقوامی اور علاقائی مسائل کے بارے میں مشترکہ موقف اختیار کرنے کے لیے قریبی رابطہ رکھیں گے بلکہ اقوام متحدہ' کانفرنس برائے یورپی تعاون و سلامتی اور دیگر عالمی اداروں میں بھی اپنی سرگرمیوں میں وحدت و یگانگت پیدا کریں گے"۵۶۔ روس اور قازقستان کے درمیان طے پانے والے دیگر معاہدات کی رو سے دونوں ممالک کے درمیان کسٹم محصولات کے خاتمہ' آزاد تجارت کی بحالی' مالیاتی نظام کی وحدت اور دوہری شہریت کی اجازت جیسے امور پر اتفاق کیا گیا۔ ان معاہدات کے نتیجے میں قازقستان کے چار فوجی اڈے روس کے کنٹرول میں دے دیے جائیں گے۔ صدر نذر بائیف اس خیال کے حامی ہیں کہ روس کے ساتھ ہمہ جہتی معاہدات کے ذریعے ایک ایسے "یوریشین اتحاد" کی تشکیل کی راہ ہموار کی جائے جس میں ممکنہ طور پر سابق سوویت یونین کی اہم ریاستیں (core members) شریک ہوں گی۵۷۔

قازق سیاست کے اس پس منظر میں خطے میں قازقستان کا ایک بڑی طاقت کی حیثیت سے ظہور خارج ازامکان نظر آتا ہے۔ دیگر وسط ایشیائی ریاستوں میں ازبکستان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ازبکستان نو آزاد وسط ایشیائی ریاستوں میں آبادی کے لحاظ سے (دو کروڑ تیس لاکھ نواسی ہزار دو سو اکسٹھ : ۱۹۹۵ء اندازا") سب سے بڑا ملک ہے۔ اس کی سرحدیں افغانستان سمیت چاروں دیگر نو آزاد وسط ایشیائی ریاستوں سے ملتی ہیں۔ اس کی آبادی میں روسیوں اور دیگر اقلیتوں کی آبادی کا تناسب انتہائی کم ہے۔ اس کے برعکس کرغیزستان اور تاجکستان میں ازبک نہ صرف کثیر تعداد میں آباد ہیں (کرغیزستان ۹-۱۲ فیصد اور تاجکستان ۲۵ فیصد) بلکہ تاجکستان میں ازبک اقلیت کا تعلق طبقہ اشرافیہ سے ہے۔ قازقستان میں بھی ازبک اقلیت موجود ہے' تاہم قازقستان کی مجموعی آبادی میں اس کا تناسب (۱-۲ فیصد) بہت کم ہے۔ ازبکستان پڑوسی ریاستوں میں ازبک اقلیتوں کی موجودگی کو ان کے خلاف بطور لیوریج استعمال کرنے کی پوزیشن میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کرغیز (اور کسی حد تک تاجک) قیادت ملک سے روسیوں کی نقل مکانی پر تشویش کا اظہار کر رہے ہیں۔ کیونکہ اس کے نتیجے میں ان ریاستوں کی آبادی میں ازبکوں کا فیصد تناسب اور بڑھ جائیگا اور "نتیجتاً" دوشنبے اور بشکیک کو علاقائی سلامتی اور دیگر پالیسی امور

میں تاشقند کی پسند اور ترجیحات کو زیادہ وزن دینے پر مجبور ہونا پڑے گا۵۸۔ ترکمنستان اگرچہ نسلی اعتبار سے زیادہ یک رنگی کا حامل ہے اور جغرافیائی محل وقوع کے لحاظ سے بھی وہ ازبک تسلط یا اثر و رسوخ قبول نہ کرنے کی پوزیشن میں ہے۔ تاہم اس ریاست کے شمالی علاقوں پر ازبکستان کی نظر ہے اور بعض ذریعوں کے مطابق ازبکستان شمالی ترکمنستان کے علاقوں پر قبضے کے لیے فوجی یلغار کی منصوبہ بندی کررہا ہے۵۹۔ ازبک قیادت (اور خاص کر صدر اسلام کریموف) "متحدہ ترکستان" کے نظریے کا پرچار کرتے نظر آتے ہیں اور اس سلسلے میں پہلے مرحلے میں وہ "وسط ایشیائی انضمام" (Central Asian integration) پر زور دے رہے ہیں۔ ازبک قوم پرست حلقے اپنے آپ کو وسطی ایشیا کا لیڈر سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے مطابق "اسلامی دنیا میں انتہائی احترام کے حامل سمرقند و بخارا جیسے شہر ان کے ملک میں واقع ہیں"۔ حالانکہ یہ دونوں شہر تاریخی طور پر ایرانی / تاجک (اسلامی) تہذیب کا گڑھ رہے ہیں۔ ۱۹۹۲ء میں تاجکستان میں ازبک مداخلت دراصل تاشقند کے توسیعی عزائم اور خطے میں بڑی طاقت کارول ادا کرنے کی خواہش کی آئینہ دار تھی۔ ایک حقیقی آزاد اور مستحکم تاجکستان تاشقند کے لیے باعث خطرہ بن سکتا تھا۶۰۔ اگرچہ ازبک قیادت نے تاجکستان میں اپنی افواج داخل کرتے وقت اپنے اس عمل کے جواز کے لیے جو دلیل پیش کی تھی اس کے مطابق "تاجکستان سرحدپار سے مداخلت اور خارجی عناصر کے درآنے کا نشانہ (یا ذریعہ) بن گیا تھا" اور یہ کہ "تاجکستان میں مسلم بنیاد پرستی کے قوت پکڑنے کے نتیجے میں ازبکستان تک بنیاد پرستی کی لہر پہنچ سکتی تھی جس کے نتیجے میں ازبکستان سیاسی عدم استحکام کا نشانہ بن سکتا تھا"" تاہم تاجکستان میں فوجی مداخلت کے ازبک فیصلے کی پشت پر بعض دیگر خفیہ اور اہم مقاصد بھی کار فرما تھے۔

گورباچوف عہد کی پرسٹرائیکا اصلاحات کے دوران تاجکستان میں قومی شناخت کی بازیافت اور ثقافتی ورثے کی بحالی کے جو جذبات پیدا ہوئے اور جو سابق سوویت یونین کی تحلیل تک انتہائی زور پکڑ چکے تھے' وہ نہ صرف ازبکستان کے علاقائی طاقت بننے کی خواہش کی تکمیل میں رکاوٹ بن سکتے تھے بلکہ وہ ازبکستان کی علاقائی اور جغرافیائی وحدت کے لیے بھی خطرہ ثابت ہو سکتے تھے۔ پرسٹرائیکا اصلاحات کے دوران تاجک قوم پرست گروپوں نے سمرقند اور بخارا کو ازبکستان میں شامل کرنے کی تاریخی بے انصافی کی تلافی کے مطالبات کرنا شروع کردیے تھے اور اس عزم کا اظہار کیا تھا کہ وہ وسطی ایشیا میں تاجک ایرانی تہذیب کا گہوارہ کہلانے والے ان علاقوں کو تاجکستان میں شامل کرکے رہیں گے۔ اس پس منظر میں ازبکستان کے لیے ایک حقیقی آزاد' خود

مختار اور پر امن تاجکستان خطرے کی علامت بن سکتا تھا۶۱۔

تاجکستان میں ازبک (اور روسی) فوجی مداخلت کے وقت (۱۹۹۲ء) افغانستان میں نجیب اللہ حکومت کے خاتمے کے بعد افغان جہاد کے تاجک لیڈر احمد شاہ مسعود شہرت کی بلندیوں کو چھو رہے تھے۔ دوسری طرف ۷۰ سال کے بعد تاجکوں کا اپنے ہم زبان ایرانیوں کے ساتھ رابطہ بحال ہو گیا تھا۔ اور وسطی ایشیا میں تاجک / ایرانی تہذیب و ثقافت کے احیاء کے لیے تاجکستان اور ایران کے مابین متعدد سمجھوتوں پر دستخط ہو چکے تھے۔ ان حالات میں ازبک قیادت یہ محسوس کرنے لگی کہ ایک ہزار سال بعد ایرانی دنیا کے ایک بار پھر متحد ہونے کے امکانات بڑھ گئے ہیں۔ جس کے نتیجے میں تاجک وسطی ایشیا کی ایک "حاشیہ برادر" قومیت کے بجائے ایک عظیم تر فارسی بولنے والی ایرانی دنیا کا حصہ بن جائیں گے۔ اور اس صورت میں تاجکستان ازبکستان کے علاقائی طاقت بننے کے خوابوں کے شرمندہ تعبیر ہونے میں رکاوٹ بنے گی۶۲۔

ازبکستان کے ایران بیزار رویے کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ مغرب اور خاص کر امریکہ کی طرف سے وسط ایشیائی ریاستوں میں بالعموم انسانی حقوق کی پامالی پر "اظہار تشویش" کے باوجود خطے میں ایران (اور ماسکو) کی متبادل طاقت (counterweight) کے طور پر وہ ازبکستان کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ شروع میں امریکہ کا میلان کرغیزستان اور قازقستان کی طرف تھا اور یہی وجہ ہے کہ امریکی نائب صدر ال - گور نے اپنے دورہ وسطی ایشیا میں ازبکستان کو شامل نہیں کیا۔ اس کے برعکس اس موقع پر ازبک صدر اسلام کریموف کو امریکہ کے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ایک افسر کی طرف سے انسانی حقوق کی صورتحال بہتر بنانے پر "ایک لیکچر کا نشانہ بھی بنایا گیا"۶۳۔ تاہم مارچ ۱۹۹۵ء میں امریکہ کے سیکرٹری دفاع ولیم پیری کے دورہ تاشقند سے ازبکستان کے بارے میں امریکی پالیسی میں تبدیلی کے آثار نمایاں ہونا شروع ہوئے۔ ولیم پیری نے اپنے اس دورہ تاشقند میں ازبکستان کو وسطی ایشیا میں "استحکام کا جزیرہ"(an island of stability) قرار دیا۔ ازبکستان نے "خیرسگالی کے جذبات" کا اظہار کرتے ہوئے امریکہ کی طرف سے ایران پر عائد تجارتی پابندیوں کی تائید و حمایت کا اعلان کیا۶۴۔ ۱۹۹۳ء میں روسی فیڈریشن کی سیاست میں قوم پرستوں کے غلبے کے بعد سے امریکہ نے روس کے اس موقف کی تائید سے بتدریج ہاتھ کھینچنا شروع کیے کہ روسی فیڈریشن کے "قریبی بیرون"(near abroad) میں قیام امن کی ذمہ داری اور سلامتی و استحکام کے تحفظ کا حق صرف روس کو حاصل ہے۔ امریکیوں نے شروع میں ترکی کو بڑھاوا دینے کی پالیسی اپنائی لیکن ماسکو کے شدید رد عمل کے نتیجے میں اور ترکی کے

جغرافیائی بعد کے پیش نظر لگتا ہے امریکی اس سلسلے میں زیادہ پر امید نہیں رہے ہیں۔ چنانچہ امریکیوں نے روس کی متوقع توسیع پسندانہ پالیسیوں اور (ماسکو کی اشیر باد سے) خطے میں بڑھتے ہوئے ایرانی اثر و نفوذ کا مداوا (counter) کرنے کے لیے خود خطے کے اندر قوت کے ایک نئے مرکز کی نشو و نما کی پالیسی اپنائی ہے۔ قازقستان کی روس نواز پالیسیوں اور نیوکلیائی ہتھیاروں کے حامل ملک کی حیثیت سے اس کی وقعت کم ہونے کے بعد۶۵ امریکی ازبکستان کو اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے علاقائی طاقت کی حیثیت دینا چاہتے ہیں۔ امریکیوں کے نزدیک ازبکستان ہی خطے کا وہ واحد ملک ہے جو "توازن قوت کی صلاحیتوں کا حامل ہے اور جو بطریق احسن یورپ' ناٹو اور علاقائی سلامتی سے متعلق (مغربی) مفادات کا تحفظ کرنے کی اہلیت رکھتا ہے"۶۶۔ ۱۹۹۵ء کے موسم گرما میں روسی پریس میں متعدد ایسے تجزیاتی مقالے شائع ہوئے جن میں بڑھتے ہوئے امریکہ - ازبکستان تعلقات پر تشویش کا اظہار کیا گیا۔ ایک روسی تجزیہ نگار کے مطابق "امریکہ کے لیے ازبکستان کی اہمیت کی وجہ ایران کو "کاؤنٹر بیلنس" کرنے کی اس کی متوقع صلاحیت ہے"۶۷۔ اس پس منظر میں ایران کو نہ صرف ازبکستان کے ساتھ دو طرفہ تعلقات کو فروغ دینے میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا بلکہ خطے میں اقتصادی' سیاسی اور استراتیجی مفادات کے حصول کے سلسلے میں ایرانی کوششوں کو ناکام بنانے کے لیے ازبکستان اس کے حریف کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آیا ہے۔

ایران - سابق سوویت ریاستیں: دو طرفہ تعلقات

فروری ۱۹۹۲ء میں "اقتصادی تعاون کی تنظیم" (ECO) کے تہران میں منعقدہ سربراہی اجلاس کے دوران آذربائیجان' تاجکستان' ترکمنستان اور ازبکستان کی شمولیت سے قبل وسطی ایشیا اور قفقاز میں ایرانی سرگرمیاں دوطرفہ تعلقات کے قیام پر مرکوز تھیں۔ اسی دوران ترکی' پاکستان' بعض عرب ممالک اور اسرائیل کے علاوہ دیگر ممالک بھی وسطی ایشیا اور قفقاز کے معدنی دولت اور قدرتی وسائل سے مالامال علاقوں میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کے لیے سرگرم ہو گئے تھے۔ مغرب اور امریکہ کو وسطی ایشیا میں ایرانی سرگرمیوں نے زبردست تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ خطے میں ایرانی اثر و نفوذ کے نتیجے میں "اسلامی بنیاد پرستی" کو تقویت ملے گی اور یہ کہ خلیج میں اپنا انقلابی ماڈل برآمد کرنے میں ناکامی کے بعد اس غرض کی تکمیل کے لیے اس نے ایک ایسے خطے کا انتخاب کیا ہے جہاں متعدد وجوہات و اسباب کی بنا پر نسبتاً اس کی کامیابی کے امکانات روشن ہیں۔ اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے مغرب و امریکہ نے خطے میں ترکی کے